THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.4 2025

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

نجیبہ عارف کے افسانوں میں عوامی مقامات پر عورت کے عدم تحفظ کی عکاسی

"Representation of Women's Insecurity in Public Spaces in the Short Stories of Najeeba Arif"

ڈاکٹر اقلیمہ ناز

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو زبان وادب

فاطمہ جناح ویمن یونی ورسٹی، راولپنڈی

Dr. Aqlima Naz

Assistant Professor, Department of Urdu Zuban-O-Adab

Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi

Abstract

Najeeba Arif is a contemporary Urdu short story writer renowned for her nuanced portrayal of women's lived experiences and social realities. This paper critically examines the representation of women's insecurity in public spaces in her short stories, highlighting how patriarchal norms and societal surveillance constrain women's freedom and autonomy. Arif's narratives depict women navigating unfamiliar streets, crowded markets, and communal areas, where they encounter intrusive gazes, societal scrutiny, and the constant threat of harassment. These literary depictions not only reflect the physical and psychological challenges women face but also critique broader gendered power structures that perpetuate their vulnerability. Through her stories, Arif illuminates the tension between a woman's desire for agency and the limitations imposed by societal expectations, offering a profound commentary on the persistence of gender-based insecurity in contemporary urban life.

Keywords: *Najeeba Arif, Urdu fiction, Woman*, Insecurity, Public Spaces.

اکیسویں صدی میں دنیا جہاں ہر میدان میں حیرت انگیز ترقی کر چکی ہے اور نت نئے امکانات کے در وا ہو رہے ہیں، وہیں سماج میں عورت کے مسائل اب بھی بڑی حد تک جوں کے توں موجود ہیں۔ انسانی معاشرے کی تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ عورت نے ہر دور میں مختلف سماجی، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کا سامنا کیا ہے۔ تعلیمِ نسواں ہو یا بغیر مرضی اور بے جوڑ شادی، بیوہ خواتین کے مسائل ہوں یا پردے کے بارے میں غلط فہمیاں، جہیز کا بوجھ یا عورت کی نفسیاتی کشمکش، صنفی عدم مساوات، گھریلو اور سماجی جبر، جنسی اور معاشی استحصال، غرض ہر سطح پر اسے اپنی حیثیت اور اہمیت منوانے کی جدوجہد کرنی پڑی ہے۔ یہاں تک کہ بنیادی سماجی و معاشی ضروریات کے تحت گھر سے باہر نکلنا بھی اس کے لیے مسائل سے خالی نہیں رہتا۔ سماجی رویّوں نے عورت کو گھر کی چار دیواری تک محدود تصور کیا، اور علما نے مذہب کے ذریعے ثابت کیا کہ عورت کا اصل مقام گھر ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ مرد کی اطاعت گزاری کرے۔[1]

عورت کا گھر سے باہر نکلنا انسانی اور سماجی ضرورت ہے، زندگی کے عملی تقاضے، تعلیم، روزگار، علاج، سماجی شرکت سب ایسے میدان ہیں جہاں عورت کی موجودگی فطری اور ناگزیر ہے۔ عورت کو گھر تک محدود سمجھنا نہ سماجی حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ انسانی امکانات سے۔ اردو ادب چونکہ سماج میں بسنے والے افراد کی زندگیوں کی عکاسی کرتا

ہے، اس لیے اردو افسانے میں بھی خواتین کے متنوع مسائل کو نمایاں طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ قصہ و افسانہ کی روایت میں عورت کی سماجی صورتِ حال کو محض موضوع نہیں بنایا گیا بلکہ اس کے اخلاق، تہذیبی تشخص اور معاشرتی کردار کے مختلف پہلوؤں کو بھی تنقیدی شعور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ معاصر اردو افسانہ بالخصوص عوامی مقامات پر عورت کے عدم تحفظ کے احساس کو ایک سنگین سماجی مسئلے کے طور پر نمایاں کرتا ہے، جہاں مردانہ نگاہ اور سماجی رویّے اس کی آزادی سے حرکت کو محدود کرتے ہیں۔ یوں عوامی فضا میں پیش آنے والے ناخوشگوار تجربات عورت کی نفسیاتی کشمکش اور سماجی حاشیائی حیثیت کو مزید گہرا کرتے ہیں۔

> سڑکوں اور گلیوں میں ۔۔۔ سر پر دوپٹہ اوڑھے حتیٰ کہ حجاب میں گزرتی خواتین کے ساتھ تواتر کے ساتھ پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات اسی طرف اشارہ کرتے محسوس ہوتے ہیں کہ معاملہ عورت کے لباس، زمان اور مکان تک محدود نہیں۔ اس کی وجوہات بہت گہری ہیں۔ البتہ یہ عورت کو یہ یاد دلانے کی کوشش ضرور ہو سکتی ہے کہ اسے اس وقت یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا اور اگر اس نے جرات کی ہے تو اب بھگتے بھی۔[2]

اس موضوع کو نجیبہ عارف نے اپنی باریک بین نظر سے اپنی کہانیوں میں نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے، جہاں عورت کی اس حوالے سے داخلی کیفیت، خوف اور سماجی دباؤ کو مختلف زاویوں سے اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

عوامی مقامات نہ صرف شہری زندگی کا حصہ ہیں بلکہ یہ معاشرتی تعامل، تفریح اور روزمرہ کی سرگرمیوں کے لیے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ جگہیں شہری شمولیت اور معاشرتی تنوع کی عکاس ہوتی ہیں اور لوگوں کو مل جل کر وقت گزارنے، جشن منانے، کھیل کود کرنے اور کام کرنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔

> We define public spaces are open, publicly accessible places where people go for group or individual activities…that accommodates people for specific purposes and becomes, over time, a site that people rely on to meet, relax, protest, or market…People need links to the world, and some are provided by the spaces they inhabit and the activities occurring within these spaces.3

تاہم، خواتین کے لیے یہ مقامات ہمیشہ محفوظ نہیں ہوتے، کیونکہ سماجی رویے، مردانہ نظریات اور ممکنہ جنسی ہراسانی انہیں ان جگہوں پر مکمل آزادی سے موجود ہونے سے روکتے ہیں۔

فیمینسٹ جغرافیہ کے مطابق، عوامی اور نجی جگہیں صنفی بنیاد پر تقسیم ہوتی ہیں، اور مردانہ غلبہ عوامی مقامات کو عورت کے لیے غیر محفوظ بنا دیتا ہے۔ یعنی عوامی جگہیں مردوں کی اور نجی جگہیں عورتوں کی، جو عورتوں کی نقل و حرکت کو محدود اور مرد کو آزاد کردار اور اس کے غلبے کو مضبوط پیش کرتا ہے۔ یہ تقسیم قدرتی نہیں بلکہ سماجی وار ثقافتی طور پر پیدا کی گئی ہے۔ نجیبہ عارف کے افسانے اس مسئلے کی ادبی عکاسی کرتے ہیں، جہاں خواتین عوامی مقامات میں عدم تحفظ اور مسلسل نگرانی کے خوف میں گھری نظر آتی ہیں۔

یہ صنفی ترتیب بے شمار مختلف صورتوں میں موجود ہے، جو مختلف ثقافتوں اور ادوار کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ اور یہ جگہ اور فضا کی صنفی تشکیل نہ صرف اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ کسی معاشرے میں صنف کو کس طرح بنایا اور سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ خود بھی اس عمل پر اثر ڈالتی ہے۔

> …Space and place, spaces and places, and our senses of them (and such related things as our degrees of mobility) are gendered through and through. Moreover they are gendered in a myriad different ways, which vary between cultures and over time. And this gendering of space and place both reflects and has effects back

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.4 2025

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

> on the ways in which gender is constructed and understood in the societies in which we live.4

مرد کی نظر عورت کو ایک قابلِ مشاہدہ شے یا کردار کے طور پر دیکھتی ہے، اور یہی نظریہ عورت کی سماجی شناخت اور خود اعتمادی پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ "جھوٹی کہانی" نجیبہ عارف کے افسانوی مجموعہ "میٹھے نلکے" کی پہلی کہانی ہے جس کا مرکزی کردار ایک عورت ہے جو گھر کا راستہ بھول گئی ہے۔۔ شہر، جو اس کی روزمرہ زندگی کا حصہ ہے، یکایک اس کے لیے اجنبی اور پر خطر بن جاتا ہے۔ عورت بار بار یاد کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ مغرب سے پہلے گھر پہنچ سکے مگر اس کی یادداشت ساتھ نہیں دیتی۔ راستہ تلاش کرنے کے اس کربناک تجربے میں وہ مختلف گلیوں سے گزرتی ہے جہاں مردوں کی نظریں اسے گھیر لیتی ہیں۔ یہ نظریں محض دیکھنے کا عمل نہیں بلکہ ایک طرح کا استحصال ہیں جو اس کی روح کو زخمی کرتے ہیں۔ عورت خاموشی سے یہ سب سہتی رہتی ہے۔ اس کی خاموشی دراصل اس بے بسی اور سماجی جبر کی علامت ہے جس کا سامنا عورت کو روزمرہ کی زندگی میں قدم قدم پر کرنا پڑتا ہے۔

> سامنے ایک گھر یا دکان کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ لوگ کچھ زیادہ ہو گئے ہیں۔ مجھے اپنے جسم پر نظروں کے پتھر برستے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، میں سر اٹھا کر دیکھتی ہوں، بہت سے لوگ کھڑے شور مچا رہے ہیں۔ شاید لینٹر ڈالا جا رہا ہے۔ سیمنٹ کی بھری ہوئی تغاریاں اٹھا اٹھا کر اوپر پہنچائی جا رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ اونچی آواز میں قہقہے لگ رہے ہیں ۔ مزدود پیشہ لوگ قہقہے لگا رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں سیمنٹ کی تغاریاں ہیں۔۔۔ وہ زور زور سے ہنس رہے ہیں۔
>
> "کس پر ہنس رہے ہیں؟
>
> مجھ پر؟
>
> میں جو اکیلی یہاں سے گزر رہی ہوں۔
>
> میں جو ایک عورت ہوں۔
>
> ایک عورت جو اکیلی اس وقت گلی سے گزر رہی ہے۔
>
> ہاہاہا
>
> یہ عورت ضرور کوئی۔۔۔؟
>
> شاید وہ ایک دوسرے کو آنکھ مارتے ہیں اور قہقہے لگاتے ہیں۔ میری خود اعتمادی ختم ہو جاتی ہے۔ میں اندر سے لرزنے لگتی ہوں اور قدم تیز کر دیتی ہوں۔۔۔ 5

یہ اقتباس دراصل پدرسری نظام کی اس بنیادی سوچ کو ظاہر کرتا ہے جو عورت کو مرد کی نسبت کم تر یا محض تابعدار وجود سمجھتا ہے۔ افسانے میں اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے خلاف تشدد صرف مار پیٹ اور گالم گلوچ تک محدود نہیں بلکہ مختلف رویوں، نظروں اور قہقہوں کے ذریعے بھی اس پر نفسیاتی تشدد کیا جاتا ہے۔ سہ پہر کے وقت ایک عورت کسی گلی سے گزر رہی ہے جہاں مزدور اینٹیں ڈھونے اور سیمنٹ بجری اٹھانے جیسا سخت مشقت کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن اس مزدوری کے دوران بھی وہ ایک اکیلی عورت کو پاس سے گزرتے ہوئے نہیں بخشتے اور اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اپنے کام سے دھیان ہٹا کر عورت ذات کو نظروں اور قہقہوں کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ رویہ پدرسری معاشرے میں مرد کی بالادستی اور عورت کی کمتری کو ظاہر کرتا ہے۔

اقتباس میں نظروں کے پتھر اور قہقہے استعاراتی طور پر عورت کے خلاف تشدد کی عکاسی ہیں۔ مزدور کام کے دوران بھی عورت کو تفریح کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ یہاں جسمانی تشدد نہیں مگر نظروں اور قہقہوں سے ایک عورت کو غیر محفوظ محسوس کرایا جا رہا ہے۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.3 No.4 2025

عورت یہاں محض ایک راہ گیر ہے، مگر اس کے وجود کو یوں گھورا جاتا ہے جیسے وہ کوئی تماشا ہو۔ یہ قہقہے صرف مزاح نہیں بلکہ طاقت کا اظہار ہے۔ نظروں کے پتھر اس بات کی علامت ہیں کہ عورت کو اکثر ایک جسم کے طور پر دیکھا جاتا ہے، نہ کہ ایک فرد کے طور پر۔ یہ سوچ صنفی امتیاز کا گہرا حصہ ہے۔ افسانے میں اکیلی عورت کسی جگہ سے گزر رہی ہے جہاں اس پر نظروں کے پتھر برسائے جا رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے سماج میں عورت کا اکیلے ہونا گناہ ہے اور مردوں کے اس معاشرے میں اکیلی عورت غیر محفوظ ہے۔

ایسی صورتِ حال عورت کی خود اعتمادی کو توڑ دیتی ہے، اسے خوف اور بے بسی کا احساس دیتی ہے، اور اس کے لیے روزمرہ کی عام جگہیں بھی غیر محفوظ بناتی ہے۔ دراصل ہمارے سماجی ڈھانچے کی تشکیل کچھ اس طرح کر دی گئی ہے جہاں عوامی جگہیں، گلیاں، بازار سب پر مردوں کا قبضہ سمجھا جاتا ہے اور عورتوں کے لیے وہاں سے گزرنا بھی غیر معمولی اور غیر محفوظ ہے۔ یہ رویے حادثاتی نہیں، بلکہ ایک ایسے سماجی ڈھانچے کا نتیجہ ہیں جو مرد کو غالب اور عورت کو تابع سمجھتا ہے۔

Gillian Rose نے اپنی کتاب (1993) Feminism and Geography: The Limits of Geographical Knowledge یہ تجزیہ پیش کیا ہے کہ گھر کو عورت کی قدرتی جگہ کے طور پر تصور کرنا صرف ایک جسمانی تصوّر نہیں بلکہ جگہ کے خیال میں استحکام، بھروسہ اور حقیقت جیسی خصوصیات نسوانی اعتبار سے مروج بن گئی ہیں۔

> The construction of 'home' as a woman's place has, moreover, carried through into those views of place itself as a source of stability, reliability and authenticity. Such views of place, which reverberate with nostalgia for something lost, are coded female.6

یہ ایک سماجی حقیقت ہے کہ مردوں کے بنائے گئے معاشرے میں عورت کسی سے بات کرتے ہوئے بھی سو بار سوچتی ہے کیونکہ عورت کو ہمیشہ جنسی مفہوم میں ہی دیکھا جاتا ہے۔

> میرا خیال ہے مجھے کسی سے پوچھ لینا چاہیے۔
> مگر کس سے پوچھوں؟
> جو ذرا شریف دکھائی دیتا ہو، جو مجھے غلط نہ بتائے، جو میری طرف گندی نظروں سے نہ دیکھے۔
> 'آؤ میرے ساتھ آ جاؤ!' کتنی غلیظ اور مکروہ نظریں، جو میرے جسم پر ایسے گرتی ہیں جیسے کسی نے پیشاب کی دھار مار دی ہو۔
> گرم گرم، بدبودار، پیلے پیشاب کی دھار۔
> میرے اندر متلی ہونے لگتی ہے اور میں لڑکھڑانے لگتی ہوں۔7

افسانے کے اس اقتباس سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ اکیلی عورت اپنے گھر کے لیے راستے کی کھوج میں ہے اور جس راستے پر وہ چل رہی ہے وہاں مردوں کے علاوہ کوئی دوسری عورت نہیں۔ وہ خود کلامی کے ذریعے اپنے خدشات ظاہر کر رہی ہے کہ درست راستہ کس سے معلوم کروں، کون شریف ہے اور کون بظاہر شریف مگر اندر سے بدنیت۔ یہ عدم اعتماد اسے کشمکش میں مبتلا کیے ہوئے ہے اور یہ خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں وہ بظاہر شریف مرد مجھے غلط عورت نہ سمجھ بیٹھے اور برے راستے کی طرف دعوت دینے کی کوشش نہ کرے، یہ سوچتے ہی اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے گندے بدبودار پیشاپ کی دھار پھینکی ہو۔ ایسی سخت اور نازیبا تشبیہہ دراصل اس ذہنی کرب کی شدت کو ظاہر کرتی ہے جو ایک عورت کو ہراسانی کے تصور سے بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اس خیال سے ہی اسے جسمانی ردعمل سے گزرنا پڑتا ہے اور اسے سخت گھبراہٹ اور متلی ہونے لگتی ہے۔ عورت کے لیے یہ خوف سماج میں مردوں کے غلبے اور عورت کو کمزور سمجھی جانے والی ہستی تصور کیے جانے سے جنم لیتا ہے۔ عورت یہاں ایک سوال کرنے والے شخص کے طور پر نہیں بلکہ ایک جسم کے طور پر دیکھی جا رہی ہے۔ اس کی ضرورت یعنی راستہ معلوم کرنا پس منظر میں چلی جاتی ہے اور مردوں کی نظریں اسے جنسی معنی میں قید کر دیتی

ISSN P : 3006-3329
ISSN E : 3006-3337

ہیں۔ یہاں اصل المیہ یہ ہے کہ عورت کو ہراسانی کا سامنا کیے بغیر بھی ہراسانی کا خوف لاحق ہے۔ یہ خوف اس کے رویے، حرکات اور سوچ کو پہلے ہی محدود کر دیتا ہے۔ یعنی سماجی جبر اس کے ذہن میں پہلے سے موجود ہے۔ چنانچہ ہمت کر کے ایک آدمی سے راستہ معلوم کرنے کا سوچتی ہے۔ وہاں ایک چائے والے کو شریف سمجھ کر اس سے راستہ پوچھنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر کیا دیکھتی ہے کہ ایک ہجوم اس کے اردگرد گندی نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے۔

> لیکن چائے والے کے جواب دینے سے پہلے ہی میرے اردگرد ایک ہجوم جمع ہو جاتا ہے۔ نوجوان شریر لڑکوں کا ہجوم۔
> وہ سب دانت نکال کر ہنس رہے ہیں، مجھے راستہ بتا رہے ہیں لیکن ہر ایک الگ الگ راستہ بتاتا ہے۔ ان کے لہجے بتاتے ہیں کہ انھیں خود کچھ معلوم نہیں۔ وہ محض اپنی لاعلمی چھپا رہے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے انداز میں اتنا تیقن ہے جیسے میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ مجھے زبردستی اس طرف لے جائے گا۔
> سامنے ہی مزدوروں کا پورا جتھا جمع ہے۔ انھوں نے اپنا کام چھوڑ دیا ہے اور تغاریاں زمین پر رکھ کر سب ٹکٹکی باندھ کر میری طرف دیکھ رہے ہیں۔
> اب میں واقعی گھبرا جاتی ہوں۔ میں اپنے لہجے کو درشت اور خود اعتماد بناتے ہوئے ڈانٹ ڈانٹ کر لڑکوں کو پیچھے ہٹنے کو کہتی ہوں۔ مگر وہ سب پوری طرح لطف اٹھانے کے موڈ میں ہیں۔
> میں چلانے لگتی ہوں جس پر وہ اور ہنستے ہیں۔
> میں بے بسی سے چائے والے کی طرف دیکھتی ہوں، وہ اسی بے نیازی سے پوّے سے چائے انڈیل رہا ہے۔
> پھر میرے چلانے پر وہ ایک طرف ہٹ جاتے ہیں اور میرا راستہ کھلا چھوڑ دیتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں: 'اچھا تو پھر جاؤ، جہاں جاتی ہو، دیکھتے ہیں ہم بھی، راستہ کیسے ملتا ہے۔"
> یہ بات وہ منہ سے نہیں کہتے مگر ان کے پورے وجود چلا رہے ہیں۔
> ان کے باہر نکلے ہوئے دانت، ان کے چڑھے ہوئے ابرو، ان کے کرتوتوں کی الٹی ہوئی آستینیں، ان کے چہروں پر حظ اٹھانے کی خواہش۔8

عورت یہ سوچ ہی رہی ہے کہ کسی سے راستہ دریافت کرے کہ نوجوانوں کا ہجوم اس کے درپے ہو جاتا ہے جو نہ صرف اس کا مذاق بناتے ہیں بلکہ اسے غیر محفوظ اور کمزور وجود ہونے کا بھی احساس دلاتے ہیں۔ سب الگ الگ اسے راستہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر کوئی اس طرح تحکمانہ انداز اور تیقن سے راستہ سمجھاتا ہے کہ جیسے وہ درست بتا رہا ہے اور اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو اسے زبردستی غلط راہ پر لے جایا جائے گا۔ یہ رویہ دراصل پدرشاہی معاشرے میں مرد کی عورت کے فیصلوں اور حرکات پر حکم چلانے کا حقدار دکھایا گیا ہے۔

یہاں عورت نے ایک چائے والے سے درست سمت کی امید رکھی تھی مگر وہ یہ سب تماشا دیکھ کر خاموش رہتا ہے۔ اس کی خاموشی اور سردمہری بھی دراصل اسی سماج کی گھناؤنی تصویر ہے کہ اکثر گواہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموشی سے ظلم کا حصہ بنتا ہے۔ ایسے میں عورت نے ہمت جمع کر کے لہجے میں سختی لا کر بلند آواز سے چلا کر مزاحمت کی کوشش کی مگر ہجوم اسے بھی تفریح سمجھ کر مزید چیلنج کرتا ہے۔

باہر نکلے ہوئے دانت، چڑھے ہوئے ابرو، کرتوتوں کی الٹی ہوئی آستینیں، چہروں پر حظ اٹھانے کی خواہش، یہ تمام اشارے صرف جسمانی حلیے کا بیان نہیں بلکہ جنسی جارحیت اور تسلط کا اظہار ہیں جس میں عورت جکڑی ہوئی ہے۔

The Study of Religion and History

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.4 2025

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

افسانہ نگار کا مقصد یہاں صرف ایک واقعہ بیان کر دینا مقصود نہیں بلکہ اس کے پیچھے کار فرما ساختیاتی ظلم کو بے نقاب کیا جا رہا ہے۔ بلکہ پورے سماجی ڈھانچے پر طنز کیا ہے جو عورت کو بے بسی اور خوف میں مبتلا کرتا ہے۔ چنانچہ اسے صنفی تشدد کی ایک ادبی دستاویز کے طور پر پڑھا جا سکتا ہے۔

افسانہ "سخت بے زمینی ہے" ایک عورت کی زبانی اس کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ افسانے کے آغاز میں عورت اپنی ناآسودہ خواہشات اور معاشرتی پابندیوں کا نہایت حساس اور گہرا بیان پیش کرتی ہے پُر رونق شہر میں رہنے کے باوجود جہاں ہر طرح کی آسائشیں اور سہولتیں موجود ہیں، عورت کو آزادی سے جینے اور سانس لینے کا حق نصیب نہیں۔

> یہ بات بہت عجیب ہے اس لیے بھی ہے کہ میں عورت ہوں۔ مجھے عورت ہونے پر کوئی رنج ہے، نہ شکوہ شکایت۔ حتیٰ کہ کوئی فخر بھی نہیں۔ میں اسی لیے عورت ہوں۔۔۔ البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جس کی وجہ سے میرے اندر ایک کسک سی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ باقی باتوں کو چھوڑیں، یہی شہروں والی بات لے لیجیے:۔۔۔ میرا جی چاہتا ہے جب کسی شہر میں جاؤں تو اس کے راستوں پر قدم رکھوں، پاؤں پاؤں چلوں، اس کی دھول کے ذروں کو چھو کے دیکھوں، اس کی پر پیچ گلیوں میں چلتی جاؤں، ان گلیوں میں کھلنے والے دروازوں پر دستک دوں، ان دروازوں کے پیچھے بسی ہوئی دنیا میں جھانکوں، ان صورتوں کے نقش اپنی نظروں سے ٹٹول کر دیکھوں جو اس شہر کی مٹی میں ڈھالے گئے ہیں، چولھوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں اور ہانڈیوں کے ڈھکن سے رس رس کر آتی خوش بو کا ذائقہ چکھوں اور کسی نہ کسی طرح خود کو اس شہر کی ہستی میں سمولوں۔۔۔9

ہوا کو چھونا، کسی راستے پر بے خوف چل پڑنا دراصل انسانی خواہشات ہیں مگر عورت ہونے کے ناطے جان لیوا بن سکتی ہیں۔ مصنفہ ایک عورت کے جذبات و احساسات کا گہرا ادراک رکھتی ہیں۔ یہاں بھی انھوں نے عورت کے شہری زندگی میں آزادی سے گھومنے پھرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے ۔ وہ اسے ایک جیتا جاگتا انسانی وجود سمجھتی ہیں اور کمال مہارت سے پانچوں حسیات کے سہارے سے اس کی دلی آرزوؤں کی عکاسی کی ہے۔

"دروازوں کے پیچھے بسی ہوئی دنیا میں جھانکوں" اور "ان صورتوں کے نقش اپنی نظروں سے ٹٹول کر دیکھوں" میں قوتِ بینائی، "دھول کے ذروں کو چھو کے دیکھوں" میں لفظ چھونے سے لمس کا احساس ہوتا ہے، چولھوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں اور ہانڈیوں کے ڈھکن سے رس رس کر آتی خوش بو کو سونگھ کر ذائقہ چکھنے کی طلب کا پیدا ہونا سے، اس سے سونگھنا اور چکھنا کی قوت کی بیداری کا احساس ہوتا ہے، راستوں پر قدم رکھوں، پاؤں پاؤں چلوں، "پر پیچ گلیوں میں چلتی جاؤں"، "گلیوں میں کھلنے والے دروازوں پر دستک دوں" جیسے الفاظ کے استعمال سے احساس ہوتا ہے کہ سننے کی حس کو خوبی سے برتا گیا ہے۔

> "سخت بے زمینی ہے" کا مرکزی کردار بھی خاتون ہے، اور اس سوال کی گھمبیرتا سے دوچار ہے کہ اُس کا تعلق کس شہر سے ہے۔ ماضی اور حال کے شہروں سے اپنے تعلق پر غور و خوض، بلکہ اپنی وابستگی کے اثبات کے باجود اس کے لیے ممکن نہیں ہو پاتا کہ وہ اطمینان اور تیقن سے طے کر پائے کہ وہ کس شہر کی ہے۔"10

یہ سب خواہشات فطری ہیں اور ہر ذی شعور کا جی چاہتا ہے کہ وہ فطرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہو لیکن عورت کو جنس کے آئینے میں ایسا سب کچھ کرنے کی آزادی نہیں۔ ان تمام بے ساختہ تجربات کی کونپل اس کے اندر ہی اندر سر نکالتی، پھلتی پھولتی اور مرجھا جاتی ہے۔ بظاہر عورت کی تمنائیں نہ فضول ہیں نہ معاشرتی اصول توڑنے والی، مگر ان کی تکمیل کی راہ میں جنس پر مبنی پابندیاں آڑے آجاتی ہیں۔

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

Vol.3 No.4 2025

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

ترقی یافتہ ماحول میں بھی عورت سماجی رکاوٹوں کے سامنے بے بس ہے۔ یہ تحریر اسی احساسِ محرومی کو اجاگر کرتی ہے جو عورت محض اپنی جنس کی وجہ سے معاشرے کی بنائی گئی پابندیوں میں جکڑ کر محسوس کرتی ہے۔ اسے اپنے عورت ہونے پر فخر ہے نہ شرمندگی، مگر سماجی حدود و قیود اس کے فطری اور بے ضرر تجربات کو بھی محدود کر دیتی ہیں۔ درج ذیل اقتباس اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ عورت کی خواہشات نہ تو بے جا ہیں، اور نہ ہی وہ سماج کے دائرہ کار سے باہر جانا چاہتی ہے۔

> یہ کیسی بے ضرر سی خواہشیں ہیں۔ انھیں پورا کرنے کی کوئی بھی کوشش سماج کے لیے کیا خطرہ بن سکتی ہے۔ مگر میں انھیں پورا نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ میں ایک عورت ہوں۔ میں راتوں کو اٹھ کر شہر کی سنسانی کا تجربہ نہیں کر سکتی، بازاروں کی دھکم پیل میں بلاوجہ دوپہروں کی دھوپ نہیں چکھ سکتی، شاموں کی نیلگونی چھونے کے لیے شہر سے باہر جاتے راستوں کے کنارے کسی پتھر پر نہیں بیٹھ سکتی، بغیر کسی منزل کے، یوں ہی برگِ آوارہ کی طرح گاہ اڑتی، گاہ ڈولتی، ڈگمگاتی، گرتی ہوئی ،گلیوں سے نہیں گزر سکتی۔ یہاں تک کہ میں کسی سے اپنی اس محرومی کا ذکر بھی نہیں کر سکتی۔ 11

یہ تمام تجربات زندگی کی رنگینی کو محسوس کرنے کا ذریعہ ہیں نہ کہ بغاوت یا احتجاج کے زمرے میں آتے ہیں۔ مرد کے لیے بے مقصد گھومنا آزادی جبکہ عورت کے لیے تنقید کا باعث۔ عورت کو ہمیشہ سے سماجی، خاندانی یا مذہبی حدود میں مقید کیا گیا ہے۔ گلیاں، راستے، بازار سب عوامی مقامات ہیں مگر ان سب پر مردوں کا کنٹرول ہے۔ عورت کا ان مقامات پر گھومنا ہراسگی، غیرت کے نام پر تشدد یا سماجی طنز کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور اس سب میں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ عورت اپنی ان محرومیوں کا کھل کر اظہار بھی نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو قربان کر دے اور اس پر مطمئن اور خاموش رہے اور اگر وہ اپنی اس فطری بے چینی کا غلطی سے اظہار کر بیٹھے تو اسے خود غرض اور باغی قرار دیا جاتا ہے۔

عورت کی یہ خواہشات بالکل فطری، معصوم اور انسانی ہیں۔ گھر کی چار دیواری، گھر والوں کی اجازت اور معاشرے کی تنقید کے خوف نے اس کے قدموں میں زنجیریں ڈال دی ہیں۔ مصنفہ نے یہاں عورت کی زبانی سماج سے شکوہ ہی نہیں کیا بلکہ احتجاج کیا ہے، ان پابندیوں کے خلاف جو عورت کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیتی ہیں۔ ایک عورت کی ذات میں چھپی ہوئی بے چینی، امنگوں اور خواہشات کو بیان کیا ہے، بلکہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ وہ اپنے حقوق سے واقف ہے وہ حقوق جو فطرت نے اسے دیے ہیں، مگر معاشرے نے چھین لیے ہیں۔

یہاں عورت صرف اپنی محرومی کا رونا نہیں رو رہی، بلکہ اس بات کا ادراک بھی کر رہی ہے کہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس کی خواہشات معصوم ہیں، بے ضرر ہیں، پھر بھی انہیں پورا کرنے کی کوشش کرنا اس کے لیے خطرہ کیوں بن جاتا ہے؟ یہی سوالات دراصل پورے پدرسری سماج کے نظام پر ایک طنز ہے۔

مصنفہ نے عورت کی آواز کو الفاظ دے کر ایک ایسا احتجاج کیا ہے جو خاموش ہوتے ہوئے بھی گونجتا ہے۔ یہ افسانہ صرف ایک فرد کی کہانی نہیں، بلکہ اُن تمام خواتین کی اجتماعی کہانی ہے جو اپنی بنیادی آزادیوں سے محروم ہیں، مگر ان کے اندر ایک چنگاری موجود ہے، اپنے حقوق کی پہچان کی، اپنی ذات کے شعور کی، اور یہی شعور ہی تبدیلی کی پہلی سیڑھی ہے۔ جب عورت یہ سمجھ لے کہ اس کی خواہشیں جائز ہیں، اس کی آزادی اس کا حق ہے، تو پھر کوئی طاقت اسے دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

> میں جانتی ہوں، ہر کوئی کہے گا: "بے مقصد گھومنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ کوئی کام ہے تو بے شک جاؤ، کام کر کے واپس آ جاؤ۔ راستوں میں ڈولنا ڈگمگانا بھی کوئی اچھی بات ہے بھلا؟ یہ تھڑوں پہ بیٹھنا، چوکوں میں بے سبب کھڑے رہنا، ریڑھی بانوں سے باتیں کرنا، راہ چلتی گائیوں، بکریوں، کتوں اور بلیوں پر ہاتھ پھیرنا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا، یہ سب کیا ڈرامے بازی ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔"12

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.3 No.4 2025

سماج عورت کی آزادی کو بے مقصد آوارگی یا اچھی بات نہیں ہے، کے پیمانوں سے ناپتا ہے۔ عورت کی ہر حرکت پر نظر رکھی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کے سفر یا ٹھہراؤ کو بھی کسی مقصد اور جواز سے باندھا جاتا ہے۔ اقتباس میں بتایا گیا ہے کہ عورت کو بے مقصد گھومنے کی اجازت نہیں اور اگر وہ ایسا کرتی ہے تو اس کی ذات پر سو طرح کے سوال داغ دیے جاتے ہیں، اس کا ہر قدم جواز کا متقاضی ہوتا ہے۔ وہ اگر تھڑوں پر بیٹھے یا چوکوں میں بے سبب ٹھہرے، ریڑھی والوں سے سرِ راہ کچھ گفتگو کرے تو ایسی عوامی جگہوں پر عورت کے غیر رسمی وجود کو ناگوار سمجھا جاتا ہے، اس کا صرف ایک ہی مقصد سمجھا جاتا ہے کہ گھر سنبھالے، بچوں کی پرورش کرے یا مرد کی تسکین کا ذریعہ بنے۔ اور اگر کسی ضرورت کے تحت جائے تو سیدھا راستہ اختیار کرے اور غیر ضروری توقف کے واپس گھر پہنچے۔ اس کے لیے فطرت کے دیگر رشتوں جانوروں، درختوں، موسموں سے جذباتی تعلق کی بھی گنجائش نہیں جو کہ عام انسانی فعل ہونا چاہیے۔ مصنفہ نے اقتباس کے آخر پر "لاحول ولا قوۃ۔" کا استعارہ استعمال کیا ہے جو سماجی جبر کے خلاف بے چارگی اور بے بسی کی کیفیت کا عکاس ہے۔

مصنفہ کا یہ اظہار دراصل صنفی تفریق کے خلاف زبردست تنقید ہے۔ سماج عورت کو مقصد کے پنجرے میں قید کرتا ہے جبکہ مرد بے مقصد زندگی گزارنے کا مجاز اور کسی کو جوابدہ بھی نہیں۔ اگر عورتیں من چاہے طریقے سے فطرت کے مطابق زندگی گزارنے لگیں تو پدرسری نظام کی بنیادیں ہل جائیں۔ عورت کا اپنے جسم اور وقت پر اختیار سماجی طاقت کے ڈھانچے کو چیلنج کرتا ہے۔ اسی تناظر میں نجیبہ عارف کے افسانوی بیانیے میں عورت کا تجربہ فردی نہیں بلکہ اجتماعی اور ساختیاتی نوعیت رکھتا ہے، جو اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں عورت کے وجودی شعور اور سماجی حقیقت کے باہمی ربط کو واضح کرتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور عورت، تاریخ پبلی کیشنز، فکشن ہاؤس، لاہور، 1996ء، ص94

2۔ ندا فاطمہ سمیر، عوامی مقامات کو خواتین کے لیے کیسے محفوظ بنایا جائے؟ یکم فروری 2022ء
عوامی مقامات کو خواتین کے لیے کیسے محفوظ بنایا جائے؟

-3 Stephen Carr, Mark Francis, Leanne G. Rivlin, Andrew M. Stone, Public Space, Cambridge University Press, United States of America, 1992, P 50-187

-4 Massey, Doreen. B. (1994). *Space, place and gender*. University of Minnesota Press, United States, pg 186

5۔ نجیبہ عارف، میٹھے نلکے، اکادمی بازیافت، اسلام آباد، کراچی، 2022ء، ص28-29

-6 Gillian Rose, Feminism and geography, The Limits of Geographical Knowledge, University of Minnesota Press, Minneapolis, United States, 1993, pg no 71–85

7۔ نجیبہ عارف، میٹھے نلکے، ایضاً، ص30-31

8۔ ایضاً، ص31-32

9۔ ایضاً، ص47-48

10۔ مبین مرزا، (مضمون) نجیبہ عارف کی افسانوی تشکیل، مشمولہ: میٹھے نلکے، ایضاً، ص12

11۔ نجیبہ عارف، میٹھے نلکے، ایضاً، ص49

12۔ ایضاً، ص49